حفظ سے پہلے اور بعد

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

آج کل اکثر اہلِ علم کا رجحان اس طرف ہوگیا ہے کہ بچوں کو اسکول پڑھایا جائے۔ ایسے حضرات بھی جو خالص دینی تعلیم کی پیداوار ہیں اور انہیں اللہ تعالی نے علم دین کی برکت سے معاشرے میں وجاہت، عزت اور قابل احترام منصب و حیثیت سے نوازا ہے، وہ بھی اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنی اولاد کو، جو مسجد کی چار دیواری میں پروان چڑھی یا جس نے مدرسے کی حدود میں جنم لیا، دنیوی تعلیم دلوائیں، ورنہ وہ زمانے سے پیچھے رہ جائیں گے، یا معاشرہ انہیں عضوِ معطل سمجھ کر ناقدری کا سلوک کرے گا۔ چنانچہ صبح صبح یہ ستم ظریفی بھی حدودِ ملاحظہ میں آتی ہے کہ عوام کے بچے جوق در جوق مسجد و مدرسہ قاعدہ سپارہ پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور خواص کے صاحبزادگان خانۂ خدا سے نکل کر خانۂ افرنگ کے لیے ٹائی لگائے، جڈی پہنے اور بوٹ چمکاتے جارہے ہوتے ہیں۔ اس رجحان کے حق میں کچھ احباب تو مجبوریاں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور کچھ آگے بڑھ کر اس کے صواب ہونے کے حق میں دلائل یا عملِ خلف پیش کرتے ہیں، بلکہ دنیوی تعلیم کو دینی مدارس کے نصاب و نظام کا جز بنانے پر زور دیتے ہیں۔ مسئلہ چونکہ اجتماعی ہے، اور تقریباً سب ہی علماء کو درپیش ہے اور اس کا تعلق ہمارے پورے تعلیمی نظام کے مکمل یا ادھورا ہونے سے ہے، اس لیے ہم اس سلسلے میں کچھ گذارشات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم عصرِ حاضر کی تین بڑی شخصیات کا نقطۂ نظر پیش کریں گے۔ پھر ان مبینہ مجبوریوں کا حل یا معروضی دلائل کا جائزہ لیں گے، جو دنیوی تعلیم کی ناگزیریت کے حق میں پیش کیے جاتے ہیں۔

پہلی شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی ہے۔ قدیم وجدید پر ان کی نظر، طویل تجربے، راست فکر، سلامتِ طبع، معتدل مزاجی سے کسے انکار ہوگا؟ مشرق و مغرب دیکھنے اور دینی و دنیاوی تعلیم سے گہری واقفیت اور طویل ممارست کے بعد ان کے قلمِ حقیقت رقم سے نکلی ہوئی گراں قدر رائے ملاحظہ فرمائیے:

> "پاکستان کے بڑے دینی مدارس نصاب تعلیم میں بعض جدید علوم کے اضافہ کی شدت سے ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں۔ لیکن دینی مدارس کے علمی ذوق کے علی الرغم ان علوم جدیدہ کے موجودہ انداز کو اپنا لینے کو

قطعاً گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ دینی مدارس کا بنیادی مقصد صرف علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس ہی نہیں ہے، بلکہ خالص دینی مزاج کی آبیاری، طلبہ کے عمل کی خالص دینی بنیادوں پر تربیت، اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو عملی زندگی کے ہر میدان میں.......... حتی کہ شکل وصورت میں بھی.......... اسلام کے نقش قدم پر چلانا ہوتا ہے۔

لیکن دوسری جانب علوم جدیدہ کے بڑے بڑے پروفیسروں کے ہاں ان باتوں کا وہ اہتمام نہیں کیا جاتا، جس کی طرف دینی مدارس میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ مدارس اس بات سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ علوم جدیدہ کے یہ اساتذہ مدارس کے مزاج اور پختہ دینی ذوق کو بگاڑنے اور متغیر کرنے کا سبب تو نہ بن جائیں گے اور نہیں تو کم از کم اس معاون ضرور ثابت ہوں گے۔ علوم جدیدہ فی نفسہا دین اور علوم دینیہ کے مخالف نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ اس کے مرتبین بڑے بڑے غیر مسلم ہیں اور انہوں نے ان علوم کو اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ لازماً طلبہ کے دلوں میں دین اور اس کے اجماعی راویوں کے خلاف شکوک وشبہات کے بیج بو دیے جاتے ہیں اور اس مشکل کا واحد حل یہی ہے کہ یا تو ان علوم کی کتابوں کو از سر نو مرتب کیا جائے یا پھر ایسے ماہرین ان کو پڑھائیں، جن کو اسلام اور اس کے علوم میں مہارت تامہ اور مکمل معرفت حاصل ہو۔ نیز دشمنوں کی مکاریوں اور ملحدین اور غیروں کی کتب میں فساد کی بنیادوں سے بھی مکمل طور پر واقف ہوں اور ان دونوں امور کا حل مدارس دینیہ کے لیے انتہائی مشکل کام ہے۔'' (ہمارا نظام تعلیم: ۸۲، ۸۳)

دوسری شخصیت محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالیۃ کی ہے۔ انہوں نے بھی تقریباً ساری دنیا دیکھ رکھی ہے۔ دینی و دنیوی دونوں تعلیموں کے حامل و شناور ہیں۔ تصوف میں بلند مقام حاصل ہونے کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ طبقے کی اصلاح و تربیت کا خاص ذوق و تجربہ ہے۔ روس سے لے کر امریکا تک اور مشرق بعید سے جنوبی امریکا تک آپ کی محنت اور توجہات کی بدولت ہزاروں لوگوں کو کفر و شرک اور فسق و فجور سے توبہ کی توفیق ملی۔ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد صاحب قدس اللہ سرہ کے بعد اکابرین نقشبند کے سرتاج و سرخیل ہیں۔ اس وقت اس عاجز کے ناقص علم کے مطابق ترکی کے جناب شیخ محمود آفندی دامت برکاتہم کے استثناء کے ساتھ.... تصوف کی شناور شاید ہی ایسی شخصیت ہو، جو ٹھیٹھ تصوف کے اسرار و رموز اور لطائف و نکات کی معرفت و تربیت میں ان کے پائے کی معرفت اور خدمات رکھتی ہو۔ حضرت سے راقم الحروف نے ایک مرتبہ دینی مدارس میں دنیوی تعلیم یا انگریزی زبان کی تدریس کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: ''مفتی صاحب! قلوب پر اس کے اثرات ہوتے ہیں۔'' حضرت کی اس بات کے بعد اور پہلے بھی دوسرے اہل دل حضرات سے بھی سنا کہ اس تعلیم کی ظلمت تو ایسی محسوس و مشاہد ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی مسلم ہے کہ "الحفظ فی الصغر، کالنقش فی الحجر۔" بچے کا دل و دماغ،

بیعت ومزاج ایسا آئینہ یا تختی ہوتا ہے کہ اس پہ آنے والے عکس کا نقش آخر عمر تک رہتا ہے۔

تیسری شخصیت وہ ہے جسے روئے زمین پر بسنے والے ناطق بنی آدم میں سے مشہور ترین اور مؤثر ترین خطیب قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ میری مراد داعیٔ اسلام حضرت مولانا طارق جمیل صاحب زید مجدہم ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے تمام آباد براعظموں میں دین کا کام لیا۔ جہاں جہاں انسان بستے ہیں، اللہ پاک نے ان کو وہاں وہاں دین کا پیغام پہنچانے کی توفیق دی۔ دردِ دل کے ساتھ تاثیرِ لسان میں ان کا کوئی ثانی ڈھونڈنے سے نہ ملے گا۔ ان کی وسعت نظری اور جہاں دیدگی بھی مسلّم ہے۔ ان سے راقم الحروف نے ایک دفعہ بالمشافہہ پوچھا: ''آپ تو دنیوی تعلیم سے ہوکر دینی تعلیم کی طرف آئے۔ آپ کے خیال میں دینی مدارس میں دنیوی تعلیم کا تجربہ کیسا ہے؟''

آنجناب نے برجستہ جواب دیا: ''النتیجۃ تتبع الأخسّ الأرذل''۔ جب دو چیزیں مل جائیں، ایک نفیس اور ثمین ہو دوسری خسیس اور رذیل، تو نتیجہ خسیس اور رذیل کے تابع ہوتا ہے۔ ان کی اس روایتی برجستگی میں حقیقت بیانی کا جو لطف ہے، اس کو اہلِ علم بخوبی محسوس کر سکتے اور حظ اٹھا سکتے ہیں۔

ان تین چیدہ چیدہ اکابر حضرات کے بعد معاصرین کی طرف آیئے! میرے ایک کرم فرما ایک بہت کامیاب اور مشہور مدرسے کا نظم چلاتے ہیں، بلکہ یوں کہیے مکاتب کا پورا سلسلہ ان کے زیر نگرانی کام کر رہا ہے۔ موصوف کو اپنے ادارے میں دنیوی تعلیم کی ترویج کا شوق ہوا اور اس کے لیے انہوں نے بہت تگ و دو کی۔ یہ عاجز ان کو مستقل سمجھاتا رہتا تھا کہ قرآن کریم کی جس معیار کی خدمت آپ کر رہے ہیں، یہ دنیا و آخرت میں آپ کے اعزاز و افتخار اور نجات و فلاح کے لیے کافی ہے۔ آپ اپنے ادارے کو اس چیز میں ملوث نہ کیجیے جو آپ کی روحانیت و برکات کے لیے سمِ قاتل ہے۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ہم دونوں ایک نہایت مؤقر محفل میں مدعو تھے۔ وہاں بھی ہماری گرما گرم بحث ہوئی۔ اس عاجز نے ان کی توجہ اس نکتے کی طرف دلائی کہ آپ خود جب دنیوی تعلیم سے غیر آراستہ ہونے کے بعد اتنا اچھا کام کر رہے ہیں تو ہماری اگلی نسل کے طلبہ بھی ان شاء اللہ یہ فریضہ انجام دینے کی روایت بطریقِ احسن جاری رکھیں گے۔ آپ کیوں دنیوی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوئے بغیر ان کو ادھورا یا ناکارہ سمجھتے ہیں؟ ان کا آخری سہارا اس دلیل سے تھا کہ میں دنیوی تعلیم کے عنوان سے ان خاندانوں کے بچوں کو وصول کرتا ہوں جو حفظ کے بعد دنیوی تعلیم کے تڑکے کے بغیر مدرسہ میں نہیں پڑھیں گے۔ احقر کا کہنا تھا کہ آپ سب کو وصول کرنے اور اس کے لیے مدرسے کے ماحول کو آلودہ کر کے کچھ لوگوں کے لیے ترغیب پیدا کرنے کے مکلف نہیں۔ الغرض بات آئی گئی ہوگئی۔ پاکستان آنے کے کچھ عرصہ بعد ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے چھوٹتے ہی بے تکلفی اور حق گوئی کا حق ادا کرتے ہوئے کہا: ''شاہ صاحب! آپ کی بات ٹھیک نکلی۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ پوچھا: خیریت..... ارشاد فرمایا: ''جس طالب علم کو میں نے خاص توجہ سے میٹرک کروائی (یعنی مٹر وسسٹم کی تعلیم دلوائی) کہ یہ درسِ نظامی میں ہمارا بہترین طالبِ علم ثابت ہوگا۔ وہ میٹرک کرنے کے بعد

اب مدرسے میں پڑھنے کے لیے تیار ہی نہیں۔اس کی تو جُو نہی بدل گئی ہے۔میری تمام امیدوں پر پانی پھر جانے کا اسے افسوس ہے نہ احساس۔'' میں نے اللہ تعالی کا شکرادا کیا کہ چلیں کسی ایک مہتمم صاحب کو تو رجوع کی توفیق ہوئی۔اس مکالمے میں ان حضرات کے چند قوی دلائل کا جواب موجود ہے، جو دینی مدارس میں دنیوی تعلیم کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔

قارئین کرام! قرآن شریف میں ہے:﴿و لا ینبئك مثل خبیر﴾ اور عرب کی مشہور مثل ہے:''و لا ینبئك مثل مجرّب۔'' دیندار حضرات کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو خالص اور اعلی درجے کی دینی تعلیم کے لیے وقف کر دیں۔علمائے کرام پر فرض ہے کہ وہ اس کے لیے مثال بنیں اور اپنے بچوں کو شروع سے مدرسے ہی میں دینی تعلیم دلوائیں۔ناظرہ سے پہلے نرسری، کے جی وغیرہ کے بجائے''روضہ''میں پڑھوائیں۔کراچی میں''روضہ عائشہ''اور''روضہ فاطمہ''کے بعد شیخ موسی الشہابی صاحب نے گلستان جوہر میں مدرسہ''ابن عباس''کے قریب بچوں کے لیے''روضہ رابعہ بصریہ'' کا آغاز کر دیا ہے۔علمائے کرام اور دیندار حضرات جن پر لازم ہے کہ اپنے بچوں کو اعلی دینی تعلیم دلوائیں، انہیں حفظ سے پہلے اور بعد نرسری اور پرائمری کے بجائے''روضہ''اور''حفاظ عربک کورس''کو رواج دینا چاہیے۔ڈھائی سے تین سال کا بچہ جب ''عربی روضہ'' سے دو سال میں عربی اور ابتدائی دینیات، ریاضیات وغیرہ سیکھ لے تو اسے پانچ چھ سال کی عمر میں حفظِ قرآن کریم شروع کروادیں۔ساتھ ساتھ اردو، حساب پڑھاتے رہیں۔حفظ کے بعد جب یہ سوال سر جھاڑ منہ پھاڑ آکھڑا ہو کہ اب بچے کو کہاں لے جائیں؟ تو پرائمری کے بجائے یک سالہ''حفاظ عربک کورس'' کروالیں۔یہ ان مجبوریوں کا حل ہے جو بعض علماء حضرات یا قاری صاحبان بیان کرتے ہیں کہ ہم بچے کو صرف علمِ دین پڑھوانا چاہتے ہیں، لیکن کیا کریں؟ ناظرہ سے بھی پہلے چھوٹے بچے کو کہاں لے جائیں اور حفظ کے بعد پرائمری کے بغیر تو کوئی مدرسہ''متوسطہ''میں بھی داخلہ نہیں دے گا۔ایسے حضرات سے عرض ہے کہ ''عربی روضہ'' میں بچپن سے دی گئی عربی تعلیم بچے کے لیے ناظرہ و حفظ آسان کر دے گی۔حفظ کے بعد''یک سالہ حفاظ عربک کورس'' کروائیں۔تجوید و قراءت پڑھوائیں۔اردو و ریاضی مضبوط کروائیں۔(اس کا نصاب بھی الحمد للہ زیر ترتیب ہے) آپ کا بچہ اسکولنگ سسٹم اور دنیوی مادہ پرست تعلیم کے زہریلے اثرات سے آلودہ ہوئے بغیر درس نظامی کے زینے سہولت سے چڑھتا جائے گا۔دنیوی تعلیم کی حفظ القرآن الکریم یا درس نظامی سے کوئی مناسبت نہیں، نہ اس سے عوام کو پر کوئی اچھا تاثر پڑتا ہے کہ خود تو ماشاءاللہ دینی تعلیم کی بدولت مقتدا و معزز بنے، ہمیں اور ہمارے بچوں کو بھی اسی کے فضائل سناتے ہیں اور اپنے بچوں کو یونیفارم پہنا کر سر سید کی باقیات سے تبرک حاصل کرنے بھیجتے ہیں۔کتنی عجیب بات ہے کہ تبلیغی حضرات یا خانقاہوں سے جڑنے والے تو توبہ تائب ہو کر دینی مدارس کا رخ کریں اور علمائے کرام اور پیر صاحبان کے صاحبزادگان بستہ پشت پر لٹکا کر یا فائل پہلو میں سجا کر اسکول کالج کو سدھاریں۔انسان کی پہچان اس کا نظریہ اور کردار ہوتا ہے۔اپنی اس پہچان کو داغدار کر کے ہم نے بہت نقصان اٹھالیا ہے۔اب مزید تجربات سے دستبردار ہونے ہی میں عافیت ہے۔ ....☆